سوال

(360) فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

فجر سے پہلے اذان درست ہے یا نہیں۔ کیا غیر رمضان میں بھی سحری کے وقت اذان ہو سکتی ہے؟ اگر غیر رمضان میں سحری کے وقت اذان ناجائز ہے۔ تو اس حدیث کا مطلب کیا ہو گا؟

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحرہ فانہ یوذن اوقال ینادی بلیل لیرجع قائمکم ویوقظ سائمکم راوہ الجماعۃ الا الترمذی

''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رضی اللہ عنہ کی اذان تم سے کسی کو سحری کھانے سے نہ روکے، کیوں کہ وہ رات میں اذان دیتا رہتا ہے، تاکہ تمہارے قیام کرنے والے کو لوٹائے اور سونے والے کو جگائے، اور امام ترمذی نے جو باب باندھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟''

باب ما جاء فی الاذان باللیل، بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

عن ابن عمر و عائشۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا رضی اللہ عنہ یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم وکان رجلا اعمی لا ینادی حتی یقال لہٗ اصبحت اصبحت متفق علیہ وفی اٰخرہ ادراج

''ابن عمر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلال رات کو اذان دیتا ہے، پس سحری کھاؤ پیو! یہاں تک کہ عبد اللہ بن مکتوم اذان دے، اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھا۔ اذان نہیں دیتا تھا۔ یہاں تک کہ کہا جاتا، صبح ہوگئی، صبح ہوگئی۔ اور اخیر کا کلام (وکان رجلا اعمی) اخیر تک راوی کا قول ہے۔''

اس حدیث پر سبل السلام نے لکھا ہے۔

وفی شرعیۃ الاذان قبل الفجر لا لما شرع الاذان فان الاذان کما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعین لحضور الصلٰوۃ وھذہ الاذان الذی قبل الفجر قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شرحیۃ بقولہ لیوقظ نائمکم ویرجع قائمکم رواہ الجماعۃ الا الترمذی والقائم ھوالذی یصلی صلوۃ اللیل ورجوعہ عودہ الی نومہ او قعودہ عن صلوۃ اذا سمع الاذان فلیس للاعلام بدخول وقت لا لحضور الصلٰوۃ........ فذکر الاختلاف فی المسئلۃ والاسدلال للمانع وللمجیز لا یلتفت الیہ من ھمہ العمل بما ثبت (سبل السلام ص۷۷، ج۱)

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے۔ مگر یہ اذان اس خاطر نہیں، جو اذان کی اصل غرض ہے۔ کیوں کہ اصل غرض اذان کے وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضور نماز کی دعوت ہے، اور ایک اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوئے ہوئے کی جگانے کی خاطر اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے۔ اس کو ترمذی کے سوا باقی

جماعت نے روایت کیا ہے اورقائم سے مراد جورات کو نماز پڑھتا ہے اور اس کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سو جانے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جب کہ اذان سنے۔ پس یہ اذان نہ وقت نماز کیا اطلاع کےلیے ہے نہ حضور نماز کی خاطر ہے۔ پس اس مسئلہ میں جواز عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑسکتا، جس کا مقصد ثابت شدہ شے پر عمل ہے۔

اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے، بلکہ جیسا حدیث کے الفاظ سے واضح ہے۔ یہ اذان اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا ذرا آرام لے کر نماز فجر کےلیے تیار ہو جائے۔ اور سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کرسکے، کیوں کہ اکثر انسان رات کی نیند سے بیدار ہوتا ہے تو پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے کچھ وقت صرف ہوتا ہے، پھر اس کی کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں، مثلاً پاخانہ، پیشاب یا غسل وغیرہ اور صبح کے وضو کےلیے بھی کچھ وقت زیادہ چاہیے، بوجہ لمبی نیند، منہ، ناک وغیرہ میں جو فضلات جمع ہو جاتے ہیں، مسواک وغیرہ سے ان کی صفائی، ان کاموں کےلیے کافی وقت چاہیے، اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے، سحری کے وقت کی اذان اسی غرض کےلیے مقرر کی گئی ہے۔ اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف رمضان کےلیے مخصوص نہیں بلکہ بارہ ماہ کےلیے ہے۔ اور رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے، کیوں کہ رمضان میں لوگ کھانے پکانے کےلیے پہلے ہی بیدار ہوتے ہیں، بخلاف غیر رمضان کے، ہاں رمضان شریف میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے، کہ اس کے ذریعے لوگوں کو سحری کے وقت اطلاع ہو، اور معلوم ہو جائے کہ صبح قریب ہے، کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمہیں بلال کی اذان کھانے پینے سے نہ روکے، اس سے یہ مقصد نہیں کہ، یہ اذان رمضان ہی کےلیے مخصوص ہے۔ بلکہ اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ لوگ پہلی اذان سن کر کھانے پینے سے رک نہ جائیں۔ اس لیے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔ اسی بنا پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وادعی ابن القطان ان ذالک کان فی رمضان خاصو وفیہ نظر (فتح الباری جز۳ ص ۳۴۶)

''ابن قطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان شریف سے مخصوص ہے۔ لیکن ان کے پاس دعویٰ میں کلام ہے۔''

نیل الاوطار میں ہے۔

وقد اختلف فی اذان بلال بلیل ھل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فالدعیٰ ابن القطان الاوّل۔ قال الحافظ فیہ نظر (نیل الاوطار جلد نمبر ۱)

''بلال کی اذان جو رات کو ہوتی تھی اس میں اختلاف ہے۔ کہ رمضان شریف کےلیے خاص تھی یا تمام اوقات میں ہو سکتی ہے؟ ابن قطان رحمۃ اللہ علیہ نے اول کا دعویٰ کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ابن قطان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔''

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ یہ فجر کی اذان ہے اور نہ آپ کو اس اعلان کی ضرورت پیش آتی، کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے، کیوں کہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ خود ہی سمجھ جاتے کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔

اس کے علاوہ بعض روایات میں تصریح آگئی ہے کہ سحری اور نماز فجر کی اذان میں فاصلہ تھوڑا ہوتا تھا۔ فتح الباری میں بحوالہ نسائی اور طحاوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(ولم یکن بینھما الاان ینزل ھذا ویصعد ھذا (فتح الباری جزئ ۳ ص ۳۴۷)

''یعنی دونوں اذانوں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ تھا کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھ جاتا تھا۔''

یہ روایت بخاری شریف کتاب الصیام میں بھی ہے، مگر وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد قاسم کی طرف اس کی نسبت کی ہے، لیکن نسائی اور طحاوی کی روایت سے معلوم ہوگیا، کہ قاسم نے اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے سن کر کہا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فمعنی قولہ فی رویۃ البخاری قال القاسم ای فی روایتہ عن عائشۃ (فتح الباری جز ثالث ص ۳۴۷)

''قال القاسم کا معنی بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے کہا نہ کہ اپنی طرف سے۔''

یاد رہے کہ حدیث کے الفاظ کہ ایک اترتا اور دوسرا چڑھتا، یہ ظاہر پر محمول نہیں، بلکہ یہ مبالغۃً ہے۔ کیوں کہ اگر الفاظ کا ظاہری معنی مراد ہو، تو پھر پہلی اذان کا فائدہ ہی کوئی نہیں، حالانکہ پہلے بحوالہ حدیث بیان ہو چکا ہے، کہ اس اذان کی غرض تہجد پڑھنے والے کو لوٹانا اور سوئے ہوئے کو جگانا ہے تاکہ وہ نماز فجر کےلیے پوری تیاری کرے۔

اور رمضان شریف میں اس کی غرض یہ بھی ہے کہ کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں۔ لہٰذا ہر دو اذانوں میں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ جس میں ان ضروریات سے فارغ ہو سکے، اس کا اندازہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے۔ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ فاصلہ تھوڑا تھا۔ تو جو لوگ اس کو تہجد کی اذان سمجھتے اور تہائی رات باقی رہنے کے وقت یا اس سے بھی پہلے دیتے ہیں، وہ غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تہجد پڑھنے والے کو فارغ کرنے کے لیے ہے۔ تاکہ وہ کچھ آرام لے کر نماز فجر کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ حدیث کا لفظ لیرجع قائمکم اسی طرف اشارہ ہے۔

فاصلہ تھوڑا ہونے کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کے لیے الگ اذان نہ دی جائے، اسی پر اکتفا کیا جائے تو درست ہے اور اس کے متعلق ایک حدیث بھی آئی ہے۔

فتح الباری میں ہے۔

حدیث زیاد بن الحارث عند ابی داوٗد یدل علی الاکتفاء فانہ فیہ انہ اذن قبل الفجر بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ استاذنہ فی الاقامۃ فمنعہ الی ان طلع الفجر فامرہٗ فاقام (فتح الباری ج ۳ ص ۳۴۶)

''زیاد بن حارث کی حدیث اذان قبل الفجر کے لیے کافی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زیاد بن الحارث نے اذان دی اور اس نے اقامت کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو روک دیا، یہاں تک کہ پو پھٹی، پھر آپ نے اس کو اقامت کا امر فرمایا، تو اس نے اقامت کہی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان پو پھٹنے سے پہلے دی اور اسی پر کفایت کی دوبارہ اذان نہیں دلائی، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

وفی اسنادہ ضعف وایضاً فھی واقعہ عین وکانت فی سفر (فتح الباری جز ۳ ص ۳۴۶)

''اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، نیز یہ خاص واقعہ ہے جو سفر میں پیش آیا۔''

اور اصول کا قاعدہ ہے۔ کہ خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں، کیوں کہ خاص واقعہ میں کئی احتمال ہوتے ہیں جو مانع استدلال ہیں۔

مالکیہ شافعیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ اگر واقعہ خاص ہے مگر اس میں کوئی ایسا احتمال نہیں جو مانع استدلال ہو۔

رہا ضعف سند، تو یہ مسلم ہے، مگر عمل اہل مدینہ وغیرہ اس کے موافق ہے۔

اور عمل سلف اہل مدینہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستقل حجت ہے، تقویت تو مستقل حجت نہ ہونے کی صورت میں بھی ہو جاتی ہے، مگر ایسے بڑے ائمہ کے نزدیک مستقل حجت ہونے سے مزید تقویت ہو گئی، پس ضعف سند سے جو اس حدیث میں کمی آ گئی تھی وہ اس عمل سے رفع ہو گئی۔ ہاں اس پر دو ڈبل اعتراض وارد ہو سکتے ہیں۔

(اول) یہ کہ اگر پہلی اذان کافی ہو سکتی ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو اذانیں کیوں دلاتے، ایک اذان بلال رضی اللہ عنہ دیتے اور دوسری اذان ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

(دوسرا اعتراض) یہ کہ ابو داوٗد وغیرہ میں حدیث ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فجر کی اذان ایک مرتبہ غلطی سے پہلے دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اعلان کر دے۔ الا ان العبد نام خبردار! بندہ سو گیا۔ یعنی مجھے نیند آ گئی صبح کا پتہ نہ چلا، بندہ سونے لگا ہے۔ اس اذان کو معتبر نہ سمجھا جائے۔ اگر قبل الفجر اذان معتبر ہوتی تو پھر اس اعلان کی کیا ضرورت (۱) تھی؟ یہ مالکیہ اور شوافع کے اختلافات ہیں۔

احتیاط اختلاف سے نکل جانے میں ہے وہ یہ کہ اگر پہلی اذان دی جائے، تو اس پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ جیسے جمعہ کی دوسری اذان دی جاتی ہے خواہ پہلی ہو یا نہ، اسی طرح یہاں بھی دوسری اذان ضرور ہونی چاہیے۔ گویا پہلی اذان سنت ہے اور دوسری ضروری۔

اور دونوں کا فاصلہ کا اندازہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوا ہے اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی اذان الفاظ کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ویسے اعلان تھا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اذان کا حقیقی معنی شرعاً انہی الفاظ کے ساتھ اعلان ہے۔ پس یہی مراد ہوگا۔

(۱) اس حدیث کے متعلق اگرچہ حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ اس طرح غلط ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا ہے۔ ان کے موذن سے ایسی غلطی ہو گئی تھی۔ جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان مذکورہ کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہی سمجھ لیا جائے تو پھر عمل اہل مدینہ وغیرہ حدیث زید بن حارث کے موافق نہ رہا۔ کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل مدینہ ہیں۔ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری جز ۳ صفحہ ۳۴۶ میں اس کو کئی سندوں سے ذکر کیا ہے، جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرفوع کی بھی کچھ اصل ہے بہر صورت یہ اعتراض بھی ڈبل ہے۔

دوم، اگر اذان کے الفاظ نہ ہوتے تو بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سے اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا تھا، حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اشتباہ کا خطرہ ہوا۔ ''اس بناء پر آپ نے فرمایا، بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے۔ پس کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جز۳ ص ۳۴۶ پس پہلی اذان سنت ہے اگر دی جائے تو مسنون الفاظ سے دی جائے اپنی طرف سے کوئی بدعت قائم نہ کی جائے۔ ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(تنظیم اہل حدیث جلد نمبر ۱۸ ش ۲۸)

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصلاۃ جلد 1 ص 161۔167

محدث فتویٰ